تاثرات

(۳)

نفسیات کے مختلف مدارسِ فکر سے قطع نظر جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، خود اس علم کی بنیاد جس مفروضے پر قائم ہے وہی مذہب و دین کے حق میں کیا کم خطرناک ہے؟ قانون، اخلاق اور دینیات کی تمام تر پابندیاں اس وجہ سے ہیں کہ انسان شعور و ادراک سے بہرہ ور ہے۔ لیکن نفسیات کی تگ و تاز اور سعی و تلاش کا ماحصل یہ ہے کہ شعور و ادراک کی ان جنبشوں کے پیچھے ایک اور کارخانہ لاشعور کا کارفرما ہے اور ہماری عملی اور فکری زندگی کا تانا بانا اسی لاشعور سے تیار ہوتا ہے۔ اب غور طلب یہ نکتہ ہے کہ اگر انسان سراسر لاشعور کے تابع ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے نہ صرف فکر و ذہن کی تازہ کاریاں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان کی عظمتِ کردار پر حرف آتا ہے بلکہ وہ تمام اونچے تصوّرات بھی تقدیس و احترام کھو بیٹھتے ہیں کہ جن سے زندگی کی اعلیٰ اقدار کا استنباط ہوتا ہے۔ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ شعور و لاشعور کی تقسیم غیر منطقی ہے، یا ان دونوں میں ربط و تعلق کی کوئی نوعیت ہی پائی نہیں جاتی۔ ہم کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ نفسیات کا یہ موجودہ رجحان مضر و خطرناک ہے کہ شعور و لاشعور کے مابین تعلیل و تسبیب کا ایسا قطعی اور یقینی رشتہ تسلیم کیا جائے کہ جس سے انسانی شعور و ادراک کی اصلی حیثیت ہی ملیامیٹ ہو جائے۔ اس لیئے کہ اگر ہم نے انسان کو کلیتہً لاشعور کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ ذہن و فکر کی تمام تر طرفہ طرازیاں دراصل لاشعور ہی کی مرہونِ منت ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اقدار و اخلاق کے لیے کوئی معقول اور روحانی وجہ جواز باقی نہیں رہے گی۔

علم البشر (ANTHROPOLOGY) اور عمرانیات کے جدید بیانوں نے بھی انکار و کفر کے داعیوں کو تقویت پہنچائی ہے۔ مثال کے طور پر سومنٹ کی اس تقسیم کو پیش کیا جا سکتا ہے جس کو اس نے

عقاید و افکار کی تاریخی توجیہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے یعنی مادی عناصر کے خوف کی وجہ سے پہلے پہل انسان نے ان چیزوں کی عظمت کا اعتراف کیا جو اُن کو نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ پھر اس احترام نے مظاہر پرستی کی شکل اختیار کی۔ جو آخر آخر میں بُت پرستی اور عجیب و غریب اصنام کی تخلیق پر منتج ہوئی۔ پھر اسی بت پرستی سے صنمیاتی اور توحیدی مذاہب سطح وجود پر اُبھرے۔ جن کی روشنی میں صدیوں انسان نے زندگی کے نقشے ترتیب دیئے۔ اور اب چونکہ دورِ سائنس کی فتوحات کا ہے لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ ماضی کی تاریکیوں سے نکل کر علم و تجربہ کی ضیا گستریوں سے استفادہ کرے۔

عقاید و افکار سے متعلق کومٹے کا یہ تجزیہ اگر درست ہے تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ تہذیبی اقدار و عقاید کی نوعیت محض ایک اضافی شئ ہے جو معاشرہ کی تبدیلیوں سے مختلف سانچوں میں ڈھلتی اور تعین پذیر ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ بُت پرستی اور توحید میں جو خطِ امتیاز کھینچا جا سکتا ہے وہ بھی حقیقت نہیں بلکہ اسی اضافیت کے تابع ہے۔ فیوربا خ (FEURBACH) نے غالباً کچھ اسی نوع کے دلائل کے پیشِ نظر یہ کہا تھا کہ توحید کا تصوّر پہلا الہامی اور فطری تصوّر نہیں بلکہ اس نے یہ سلسلہ ارتقاء تجرید کی یہ شکل اختیار کی ہے۔

انسان کی اجتماعی زندگی نے ارتقاء و تقدم کے ان مختلف تہذیبی ادوار کو کیونکر طے کیا۔ جن کی کومٹے نے نشان دہی کی ہے۔ اور وہ کون اصول یا عوامل ہیں جو تغیر و ارتقاء کے قافلوں کو آگے بڑھاتے اور متحرک رکھتے ہیں۔ اس اہم سوال کے جواب سے اشتراکی فلسفہ نے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے اس نے جانے بوجھے عمرانی نظریات کی روشنی میں بتایا ہے کہ انسانی تہذیب مختلف تہذیبی اقدار اور اور قانون و تشریح کا ڈھانچہ یکسر ذرائع پیداوار کا رہین منت ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ تہذیبی اقدار، عقاید و افکار اور مذہب و تشریع کے تمام تر تقاضے ٹھیٹھ مادّی حالات و شرائط کے ماتحت پیدا ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ جس نسبت سے ذرائع پیداوار میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اسی نسبت سے تہذیبِ انسانی میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں جب انسان نے حیوانی خصوصیات کو چھوڑ کر عقل و ادراک کی دہلیز پر قدم دھرا تھا اور

ابھی زرعی تمدّن سے آشنا نہیں ہوا تھا اس کی گذر بسر کا دار و مدار سراسر شکار پر تھا اور اس کی اخلاقیات کا سارا طول و عرض بس اتنا تھا کہ مِل جُل کر مختلف ٹولیوں کی صورت میں سب مَردوں اور عورتوں کو شکار کی تلاش میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ اور پھر جب شکار ہاتھ آجائے تو اس کو آپس میں بانٹ لینا چاہیئے۔ یہ اشتراکیت کا نقطۂ آغاز تھا۔ زرعی زندگی میں بھی مدت تک اسی تہذیبی اصول پر عمل درآمد رہا کہ مختلف انسانی گروہوں نے کہیں کہیں زراعت کا تجربہ کیا، اور پھر پیداوار کو آپس میں مساوات کی بنیادوں پر تقسیم کر لیا۔ جب پیداوار کے ذرائع قدرے عام ہوئے تو قبیلوی زندگی کا آغاز ہوا جس میں ذاتی مِلک کے تصوّر نے نئی تہذیبی اقدار کی تخلیق کی۔ قبیلوی زندگی سے جاگیرداری اُبھری، اور پیداوار کے پھیلاؤ کے ساتھ تہذیبی دائروں نے بھی قدرے وسعت اختیار کی۔ جاگیرداری نے ارتقار کے ایک خاص مرحلے میں ریاست، قانون اور شرائع کے تصوّر کو اُجاگر کیا۔ اس کے نتیجے میں بڑے بڑے مذاہب اور فلسفے معرضِ وجود میں آئے۔

اس کے بعد ملوکیت آئی جو اپنے ساتھ نئے اصول، نئے پیمانے اور زندگی کے نئے انداز لائی جب یہاں تک پہنچ کر ارتقار کا قافلہ رُکا اور اس میں ایک طرح کا ٹھہراؤ پیدا ہوا تو صنعت و حرفت نے اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھوٹی صنعتوں نے دیوہیکل کارخانوں اور ملوں کی طرح ڈالی جس سے مزدوروں کے متعلق نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس سے دولت سمٹ کر ایک خاص طبقہ میں مرکوز ہو گئی۔ اور زندگی کی ناہمواریاں نکھر کر نظر و بصر کے سامنے آگئیں۔ ارتقار کی اس تقسیم سے ظاہر ہے کہ زندگی کے جو اصول تہذیب سے بالکل ابتدائی دَور میں مروج تھے قبیلوی زندگی میں ان میں اچھا خاصہ ردّ و بدل ہوا۔ اور جو اصول قبیلوی زندگی میں رائج تھے ان میں جاگیرداری کے دَور میں تبدیلیاں ہوئیں۔ اور جاگیرداری اسلوبِ حیات کو صنعت و حرفت نے نئے سانچوں میں ڈھالا اور اب دو تہذیبیں زندگی کے دو نقطہ ہائے نظر آمنے سامنے خم ٹھونک کر ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت۔

دیکھیئے، حقایق کے یک طرفہ مطالعہ نے فکر و نظر کے کن کن اختلافات کو نمایاں کیا ہے۔ لیکن

اس اختلاف کے باوجود ان سب میں جو چیز مشترک ہے اور جس پر حکمت و فلسفہ کے تمام مدارسِ فکر کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اور مذہب میں زیادہ سے زیادہ بُعد پیدا کیا جائے۔ دُوری اور بیگانگی کے عوامل کو تقویت دی جائے۔ اور مذہب و دین کے اثرات کو ایک ایک کر کے مٹایا جائے۔

ان افکار کو ہم نے نہایت ہی اجمال کے ساتھ اس لیئے پیش کیا ہے تاکہ اہلِ نظر جان سکیں کہ موجودہ حالات میں فکر و تعمق کے انداز کس درجہ بدل چکے ہیں۔ اور مزاج، دلائل متضمنات اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بالکل ہی نئے علم الکلام کی ترتیب و تدوین کا مسئلہ کتنا اہم، کتنا توجہ طلب اور گہرے علم و مطالعہ کا مقتضی ہے۔

محمد حنیف ندوی